ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.4 2025

فکرِ رومی اور عصرِ حاضر کے روحانی بحران کا حل

RUMI'S THOUGHT AND THE SOLUTION TO THE SPIRITUAL CRISIS OF THE MODERN AGE

Allah Ditta
PhD Scholar
Gift University Gujranwala
aajiz334@gmail.com
Dr Farhan Arshad
Assistant Professor
Department of Islamic Studies
Gift university Gujranwala
Farhan.arshad@gift.edu.pk
Dr Waseem
Assistant Professor
Department of Islamic Studies
Gift University Gujranwala

Abstract

In the modern era, humanity stands at the pinnacle of material advancement yet suffers from an acute spiritual vacuum, existential anxiety, and a profound loss of inner meaning. Science, technology, and economic progress have indeed enriched human life externally, but have simultaneously deprived it of peace, love, and transcendence. The greatest tragedy of modern civilization is its absolutization of reason and neglect of the soul, reducing man to a mechanical being devoid of spiritual depth. Within this context of spiritual decay and intellectual fragmentation, the thought of Mawlana Jalal al-Din Rumi (1207–1273) emerges as a timeless and universal remedy for the maladies of the modern human condition.

Rumi's philosophy centers upon love (ʿishq), unity (tawḥīd), and self-realization (maʿrifah). For him, love is not merely an emotional state but a cosmic force that unites the human being with the Divine. His Mathnawī-i Maʿnawī is not only a masterpiece of mystical literature but also a map of the soul's inward journey a guide to purification (tazkiyah al-nafs), moral discipline, and spiritual ascent. Rumi maintains that reason without love becomes a "cold intellect," which distances the seeker from truth rather than leading him toward it. Therefore, he invites humankind to look inward, recognize the reality of their existence, and attain spiritual insight through the transformative power of divine love.

This article explores Rumi's thought as a response to the spiritual crisis of modernity. It examines how his metaphysical and ethical teachings rooted in love, intellect, knowledge, and unity — offer a coherent framework for addressing the inner emptiness, alienation, and materialism of the modern self. The discussion includes a comparative analysis of Rumi's philosophy with that of Carl Jung, Friedrich Nietzsche, and Henry Corbin, highlighting both intersections and divergences in their conceptions of the self, imagination, and transcendence.

Furthermore, the paper investigates how major contemporary Muslim thinkers such as Allama Muhammad Iqbal, Seyyed Hossein Nasr, and William Chittick have interpreted and expanded Rumi's message in modern intellectual discourse. For these scholars, Rumi represents not only a spiritual master but also a philosophical architect whose vision can heal the fragmented consciousness of modern humanity.

Ultimately, the study concludes that Rumi's vision of divine love, purification of the soul, and reawakening of selfhood provides a profound and practical solution to the spiritual disintegration of the modern age. Through the application of Mathnawī's teachings in personal and social life, humanity may rediscover inner peace, moral balance, and proximity to the Divine, thereby transforming the age of alienation into an era of spiritual wholeness.

Keywords:

Rumi, Spiritual Crisis, Modernity, Mysticism, Divine Love, Self-Realization, Iqbal, Henry Corbin, William Chittick, Islamic Philosophy, Metaphysics, Contemporary Spirituality.

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عصرِ حاضر کا انسان بظاہر مادی ترقی کی معراج پر ہے، لیکن باطن سے شدید روحانی خلا، ذہنی بے چینی اور وجودی بے معنویت کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشی ترقی نے انسان کو سہولتیں تو فراہم کی ہیں، مگر اس کے دل سے سکون، محبت اور روحانی وابستگی چھین لی ہے۔ جدید تہذیب کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے عقل کو مطلق اور روح کو فراموش کر دیا، نتیجتاً انسان ایک مشینی وجود بن کر رہ گیا ہے۔ اسی روحانی انحطاط اور فکری زوال کے پس منظر میں مولانا جلال الدین رومیؒ کی فکر ایک آسمانی نسخۂ شفا کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ رومیؒ کا پیغام عشق، وحدت اور خود شناسی پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک عشق محض جذباتی کیفیت نہیں بلکہ ایک کائناتی قوت ہے جو انسان کو اس کے اصل ماخذ، یعنی خالقِ حقیقی سے جوڑتی ہے۔ ان کی مثنوی کو اگر غور سے پڑھا جائے تو یہ دراصل انسان کے باطنی سفر، تزکیۂ نفس، اور روحانی ارتقاء کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ رومیؒ فرماتے ہیں کہ عقل اگر عشق سے خالی ہو تو محض ایک سرد منطق ہے جو انسان کو حقیقت کے قریب نہیں بلکہ دور لے جاتی ہے۔ چنانچہ وہ انسان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے اندر کی گہرائیوں میں جھانکے، اپنے وجود کی حقیقت کو پہچانے، اور عشقِ الٰہی کے ذریعے روحانی بصیرت حاصل کرے۔

یہ مقالہ فکرِ رومی کو عصرِ حاضر کے روحانی بحران کے تناظر میں سمجھنے کی ایک علمی کاوش ہے۔ اس میں یہ سوال زیرِ بحث آتا ہے کہ رومیؒ کے افکار جدید انسان کے روحانی زوال، تنہائی، اور مادیت پسندی کے مقابلے میں کس طرح ایک عملی و فکری رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ مقالے میں رومی کے تصورات عشق، عقل، معرفت، انسانِ کامل، اور وحدتِ وجود کو مفصل طور پر واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی کارل ینگ، فریڈرک نطشے، اور ہنری کوربن جیسے مغربی مفکرین کے نظریات سے تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ رومیؒ کی فکر کی آفاقی معنویت واضح ہو سکے۔ مقالے میں علامہ اقبالؒ، سید حسین نصر اور ولیم چیٹک جیسے معاصر مسلم مفکرین کے ذریعے رومی کے پیغام کی موجودہ دور میں تفہیم کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان مفکرین نے رومی کو نہ صرف روحانی استاد بلکہ ایک فکری معمار کے طور پر پیش کیا ہے، جس کی تعلیمات جدید انسان کے فکری اور اخلاقی زوال کا علاج رکھتی ہیں۔ فکرِ رومی، جو عشقِ حقیقی، تزکیۂ نفس، اور خودی کے احیاء پر مبنی ہے، آج کے انسان کے لیے نجات اور اطمینانِ قلب کا راستہ پیش کرتی ہے۔ اگر انسان مثنوی کے پیغام کو عملی طور پر اپنی زندگی میں نافذ کرے، تو وہ مادیت کے شور اور فکری انتشار سے نکل کر باطنی سکون، محبت، اور الٰہی قربت کی راہ پا سکتا ہے۔

تصوف اور عصرِ حاضر کا فکری بحران

تصوف محض مذہبی رسومات یا وجدانی تجربات کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی شعور کے ارتقاء اور روحانی توازن کی بحالی کا ایک جامع نظام ہے۔ تاریخِ انسانی کے ہر دور میں انسان نے اپنے وجودی سوالات —— میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں، اور کہاں جا رہا ہوں —— کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم، عصرِ حاضر میں جب مادیت، سرمایہ داری، اور سائنسی عقلیت نے انسانی فکر پر غلبہ حاصل کیا، تو روحانیت پس منظر میں چلی گئی۔ نتیجتاً جدید انسان اپنے اندر ایک گہری معنوی خلا کا شکار ہو گیا، جسے بعض مفکرین "روحانی بحران" (Spiritual Crisis) کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا رومی کے نزدیک انسان کا سب سے بڑا زوال یہ ہے کہ وہ اپنے "اصل" کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ رومی انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ اس کی حقیقت جسم میں نہیں بلکہ روح میں پوشیدہ ہے، اور جب تک انسان اپنے باطن کی طرف رجوع نہیں کرتا، اسے سکونِ حقیقی میسر نہیں آ سکتا۔

"بشنو از نی چون حکایت می‌کند، از جدائی‌ها شکایت می‌کند۔"[1]

"سُن، بانسری کیا بیان کرتی ہے۔ وہ جدائیوں کی شکایت کر رہی ہے"

یہ اشعار رومی کے روحانی فلسفے کی اساس ہیں۔ نی دراصل انسان کی روح کی علامت ہے جو اپنے خالق سے جدائی پر نالاں ہے۔ نی کی چیخ انسان کی اس فطری تڑپ کی نمائندہ ہے جو اسے مادیت سے ماورا، الوہی قرب کی طرف بلاتی ہے۔ رومی کے نزدیک یہ جدائی ہی روحانی سفر کی ابتدا ہے۔ عصرِ حاضر کے انسان نے اپنے "نی" کو خاموش کر دیا ہے، اس لیے وہ بظاہر ترقی یافتہ لیکن باطن میں مضطرب ہے۔ رومی کے نزدیک روحانی بحران کا حل، انسان کے اندر موجود "یادِ ازل" کو بیدار کرنے میں ہے۔

مولانا جلال الدین رومی کی معنوی میراث

مولانا جلال الدین رومی (1207–1273ء) اسلامی روحانیت کی تاریخ میں ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت ہیں جنہوں نے عقل، عشق، فلسفہ اور عرفان کو ایک وحدتی نظام میں سمو دیا۔ رومی کی تعلیمات کسی خاص مذہبی طبقے کے لیے محدود نہیں بلکہ وہ انسانیت کے باطنی اتحاد پر ایمان رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک مذہب کا اصل مقصد انسان کو اپنے خالق سے جوڑنا ہے، نہ کہ فرقہ وارانہ امتیازات میں الجھانا۔ رومی کی فکر کا مرکز ''عشق'' ہے ایسا عشق جو عقل کی حدوں سے بلند ہو کر انسان کو روحانی کمال تک پہنچاتا ہے۔ وہ عشق کو الٰہی توانائی (Divine Energy) قرار دیتے ہیں جو کائنات کو متحرک رکھتی ہے۔ رومی کے نزدیک دنیا کا ہر ذرّہ اسی عشق کی تجلی سے روشن ہے۔

[1] مولانا جلال الدین رومی، مثنویِ معنوی، دفتر اول (تہران: انتشاراتِ سخن، ۱۳۸۵ھ)، ص 1

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"عشق آن شعلہست کآ چون برفروخت، هر چه جز معشوق باقی جملہ سوخت."[2]

"عشق وہ شعلہ ہے جو جب بھڑک اٹھتا ہے، تو معشوق کے سوا ہر شے کو جلا دیتا ہے۔"

یہ شعر رومی کی پوری فکری ساخت کو واضح کرتا ہے۔ ان کے نزدیک عشق ایک ایسی کائناتی قوت ہے جو انسان کو خود غرضی، مادی مفادات، اور فکری جمود سے آزاد کرتی ہے۔ رومی کا پیغام انسان کو "خود سے بلند" ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ یہی تصور عصرِ حاضر کے روحانی بحران کا علاج ہے، جہاں انسان نے خود کو صرف مادی وجود تک محدود کر لیا ہے۔

مثنویِ معنوی کا فکری پس منظر

مثنویِ معنوی اسلامی روحانیت، عرفان اور حکمت کا وہ شاہکار ہے جسے اہلِ معرفت نے "قرآن در زبانِ فارسی" قرار دیا۔ یہ صرف شاعرانہ اظہار نہیں بلکہ انسانی شعور، اخلاق، نفسیات، کائناتی تعلق اور الوہی عشق کے فلسفے پر مبنی ایک ہمہ گیر فکری نظام ہے۔ رومی نے اپنی مثنوی کو تصوف کے نظری اور عملی پہلوؤں کے درمیان ایک زندہ ربط کے طور پر پیش کیا ہے جہاں عشق، عقل، ایمان اور عمل باہم مربوط ہو جاتے ہیں۔ مثنوی دراصل رومی کے اندر کے "مرشد" کی آواز ہے، جو انسان کو ظاہری علم سے باطنی معرفت کی طرف لے جاتی ہے۔ رومی کے نزدیک علم اگر عشق سے خالی ہو تو وہ محض "زبان کی ورزش" ہے، جبکہ عشق علم کو زندگی بخشتا ہے۔ ان کی مثنوی کا پس منظر قرآن، حدیث، اور اسلامی عرفان کی روایت میں پیوست ہے، لیکن اس کے اندر ایک آفاقی انسانی شعور بھی کارفرما ہے۔ رومی نے نہ صرف اسلامی متون سے استفادہ کیا بلکہ فلسفیانہ مکاتبِ فکر خاص طور پر نوافلاطونیت، ابنِ عربی کے وحدت الوجودی نظریات، اور قرآنی رموز کو ہم آہنگ کیا۔

"مثنوی معنوی مولوی معنوی، و هو أصول أصول أصول الدين، في كشف أسرار الوصول و اليقين."[3]

"یہ مثنوی معنوی مولوی رومی کی تصنیف ہے، جو دین کی اصل الاصول ہے یقین اور معرفت کے اسرار کے کشف میں مدد دیتی ہے۔"

مثنوی کا یہ ابتدائی جملہ خود رومی کے فکری منہاج کی بنیاد واضح کرتا ہے۔ وہ مثنوی کو محض شاعری نہیں سمجھتے بلکہ اسے معرفتِ الٰہی تک رسائی کا ایک ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ یہاں "أصول أصول أصول الدين" کا جملہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تصوف دین کے ظاہر اور باطن دونوں کا جامع ہے۔ رومی کا یہ منہاج محض وجدانی تجربہ نہیں بلکہ ایک معرفتی علمیات (Epistemology of Spiritual Experience) پر قائم ہے۔ مثنوی کے فکری پس منظر کا ایک اور اہم پہلو عقل و عشق کی وحدت ہے۔ رومی کے نزدیک عقل اگر عشق سے جدا ہو تو وہ "دیوِ استدلال" بن جاتی ہے جو روحانی سفر کو محدود کر دیتی ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ عقل راستہ دکھاتی ہے، مگر عشق منزل تک پہنچاتا ہے۔

عشق، عقل اور معرفت کا تعلق

مولانا رومی کی فکری کائنات کا سب سے مرکزی اور حرکیاتی عنصر "عشق" ہے۔ رومی کے نزدیک عشق محض جذباتی کیفیت نہیں بلکہ ایک ماورائی ادراک (Transcendent Cognition) ہے جو عقل کو تکمیل بخشتا ہے۔ اسلامی فلسفہ میں جہاں عقل کو ہدایت و تمیز کا سرچشمہ سمجھا گیا، وہاں رومی نے عشق کو اس کا روحانی ضمیمہ قرار دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ عقل کی پہنچ جہاں ختم ہوتی ہے، عشق وہاں سے آغاز کرتا ہے۔ عصرِ حاضر کے انسان نے عقل کو مطلق معیار قرار دے کر روحانی بصیرت کو کمزور کیا ہے، جس کے نتیجے میں علم تو بڑھ گیا مگر "معرفت" ناپید ہو گئی۔ رومی کے نزدیک عشق ہی وہ قوت ہے جو انسان کو حقیقت کے قرب تک پہنچاتی ہے کیونکہ عشق عقل کی قیود توڑ کر انسان کو خالق سے جوڑ دیتا ہے۔

"عشق آمد و عقل را بے چارہ کرد، بحر آمد و موج را آوارہ کرد."[4]

"عشق آیا اور عقل کو بے بس کر دیا، جیسے سمندر آیا اور موجوں کو حیران کر دیا۔"

---

[2] مولانا جلال الدین رومی، مثنویِ معنوی، دفتر دوم (قونیہ: مکتبہ مولوی، ۱۳۸۲ھ)، بیت ص 19

[3] مولانا جلال الدین رومی، مثنویِ معنوی، دیباچہ، (قونیہ: مکتبہ مولوی، ۱۳۸۲ھ)، ص 3

[4] مولانا جلال الدین رومی، مثنویِ معنوی، دفتر دوم (قونیہ: مکتبہ مولوی، ۱۳۸۲ھ ش)، ص 38

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس شعر میں رومی عشق کو ایک کائناتی قوت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو انسانی ادراک کی سطح بدل دیتی ہے۔ عقل محدود دائرے میں سوچتی ہے، مگر عشق حقیقت کے لامحدود افقوں کو منکشف کرتا ہے۔ رومی کی فکر میں عشق، معرفت کی سب سے اعلیٰ صورت ہے وہ روشنی جو عقل کی روشنی سے زیادہ لطیف اور جامع ہے۔ عصرِ حاضر میں، جہاں عقل سائنسی منطق کی اسیر ہے، رومی کا عشق انسان کے باطن میں "حقیقتِ مطلقہ" کی کھڑکی کھول دیتا ہے۔

انسانِ کامل کا تصور اور روحانی ارتقاء

رومی کی فکر میں ''انسانِ کامل'' کا تصور مرکزی روحانی ہدف کے طور پر موجود ہے۔ یہ تصور اسلامی تصوف میں ابن عربی سے شروع ہو کر رومی میں عشق اور عمل کی شکل اختیار کرتا ہے۔ رومی کے نزدیک انسانِ کامل وہ ہستی ہے جس نے اپنے اندر کی تمام قوتوں کو ''الٰہی توازن'' میں لا کر اپنی اصل حقیقت کو پہچان لیا ہو۔ وہ خدا کی صفات کا مظہر، کائنات کے حسن کا عکاس، اور انسانیت کی معراج ہے۔ رومی کے نزدیک ہر انسان میں انسانِ کامل بننے کی صلاحیت موجود ہے، لیکن اس تک پہنچنے کے لیے اسے تزکیۂ نفس، عشقِ حقیقی، اور عرفانی سلوک سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی سفر روحانی ارتقاء (Spiritual Ascent) کہلاتا ہے۔

"ز آدم تا بہ این دم در سفر، هر نفس نو می شود در جوهر." [5]

"آدم سے لے کر آج تک انسان سفر میں ہے، اور ہر لمحہ اپنی اصل میں ایک نئی صورت اختیار کرتا ہے۔"

یہ شعر رومی کے نظریۂ ارتقاء کی روح کو ظاہر کرتا ہے۔ انسان محض حیاتیاتی مخلوق نہیں بلکہ ایک روحانی وجود ہے جو مسلسل ''کمال'' کی طرف بڑھ رہا ہے۔ رومی کے نزدیک یہ ارتقاء زمانی یا جسمانی نہیں بلکہ روحانی صعود ہے، جس میں انسان اپنے اندر کے ظلمت کو علم اور عشق کی روشنی سے بدل دیتا ہے۔

مادیت، سائنس اور جدید انسان کی تنہائی

عصرِ حاضر کی تہذیب اپنے بظاہر ترقی یافتہ خدوخال کے باوجود ایک گہری روحانی بنجر زمین میں تبدیل ہو چکی ہے۔ سائنسی انکشافات اور ٹیکنالوجی کی برق رفتار پیش رفت نے انسان کو مادی دنیا کے اسرار تو کھول کر دے دیے، مگر اس کے باطن کی گہرائیوں میں اترنے کے راستے مسدود کر دیے۔ جدید مغربی فکر، جو خالص عقلانیت (Rationalism) اور تجربیت (Empiricism) پر قائم ہے، انسان کو ایک میکانی (mechanical) وجود کے طور پر دیکھتی ہے جس کی قدریں صرف نفع و افادیت (utility) تک محدود ہیں۔ مولانا رومی کے نزدیک، یہی انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے کہ وہ "ظاہر کے آئینے" میں گم ہو کر اپنے اندر کے بحرِ بیکراں کو بھول گیا ہے۔ ان کے نزدیک عشق، روحانی بصیرت اور باطنی سفر ہی وہ عناصر ہیں جو انسان کو تنہائی، اضطراب اور معنویت کے بحران سے نجات دے سکتے ہیں۔ رومی کی فکر دراصل روح کے احیاء کی دعوت ہے۔ وہ جدید انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ سائنس کی روشنی، اگر عشقِ حقیقی سے منور نہ ہو، تو وہ محض ظلمتِ علم بن جاتی ہے۔ جدید انسان نے اگرچہ چاند پر قدم رکھ لیا ہے، مگر وہ اپنے ہی دل کی گہرائیوں میں اترنے سے محروم ہے۔

"علم کز تو تو را نہ بستاند زود
جهل بہ بود از چنین علم سود" [6]

"وہ علم جو تجھے تجھ سے نہ چھین لے، جلد ہی تجھے نقصان پہنچائے گا۔
ایسا علم نادانی سے بھی بدتر ہے۔"

رومی کا یہ شعر اس بنیادی تصور کی وضاحت کرتا ہے کہ علم اگر تزکیۂ نفس اور باطنی اصلاح کا باعث نہ بنے تو وہ علم نہیں بلکہ غفلت کا نیا روپ ہے۔ رومی کی فکر کے مطابق علم کی غایت انسان کو حق سے جوڑنا ہے، نہ کہ انانیت اور خود پسندی میں مبتلا کرنا۔ عصرِ حاضر کی مادی تہذیب میں علم کو طاقت اور تسلط کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، جبکہ رومی کے نزدیک علم کا مقصد محبت، معرفت، اور خودی کی تکمیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں، جب انسان "connected yet alone" کی کیفیت میں مبتلا ہے، رومی کی یہ تعلیمات اسے روحانی مرکزیت اور باطنی ہم آہنگی کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

---

[5] مولانا جلال الدین رومی، مثنویِ معنوی، دفتر سوم (تہران: انتشاراتِ سخن، ۱۳۸۵ھ ش)، ص 54

[6] رومی، جلال الدین۔ مثنوی معنوی، دفتر دوم۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 45۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مغربی فلسفے میں روحانیت کا بحران

مغربی فلسفہ، جو قرونِ وسطیٰ کے مذہبی سانچوں سے نکل کر عصرِ جدید کی عقل پرستی (Rationalism) اور سیکولر ہیومینزم (Secular Humanism) کی طرف بڑھا، رفتہ رفتہ اپنی روحانی اساس سے محروم ہوتا گیا۔ رینی ڈیکارٹ کے "Cogito ergo sum" سے شروع ہونے والا فکری سفر "میں سوچتا ہوں، لہٰذا میں ہوں" انسان کو روحانی وحدت (spiritual unity) سے کاٹ کر عقلی انانیت (rational ego) تک محدود کر دیتا ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں مغربی فکر نے خدا اور انسان کے تعلق کو ماورائی تعلق سے ہٹا کر ذہنی و سائنسی سوال بنا دیا۔ نتیجتاً وجودِ انسانی ایک منقطع حقیقت (disconnected reality) بن گیا، جس میں انسان کو اپنی روحانی مرکزیت کا شعور کھو گیا۔ ہیگل، نطشے، اور کیرکیگار جیسے مفکرین نے اس بحران کی مختلف جہتوں کو بیان کیا، مگر کوئی بھی اسے عشق، وجدان اور باطن کی طہارت کے بغیر حل نہ کر سکا۔ رومی کی نگاہ میں یہی مغربی المیہ ہے عقل کی بلندی مگر دل کی پستی۔ وہ مغرب کے اس بحران کو "روح کے بھٹکنے" سے تعبیر کرتے ہیں، جہاں انسان نے حقیقت کو صرف حسّی تجربہ اور ظاہری علم تک محدود کر دیا ہے، اور باطن کی دروں بینی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔

"عقل در شرحش چو خر در گل بخفت
شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت"[7]

"عقل جب عشق کی تشریح میں اتری تو کیچڑ میں پھنسے گدھے کی مانند تھک گئی،
عشق اور عاشقی کی حقیقت کو تو عشق نے خود بیان کیا۔"

یہ شعر مغربی فکر کے عقلی جمود پر ایک گہری تنقید ہے۔ رومی کے نزدیک عقل، اگر عشق سے منسلک نہ ہو، تو حقیقتِ مطلقہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مغربی فلسفہ جس نے حقیقت کو صرف عقلی استدلال اور سائنسی تجربہ میں محدود کر دیا۔ دراصل اسی "خر در گل" کی تصویر ہے۔ رومی کے مطابق عشق وہ باطنی قوت ہے جو عقل کو معرفت کا پر عطا کرتی ہے۔ جدید مغرب کی عقل، جو صرف منطقی تحلیل پر تکیہ کرتی ہے، روحانی بصیرت سے محروم ہو کر وجودی خلا (existential void) پیدا کرتی ہے۔ یہی خلا آج کے مغربی انسان کی روحانی بے قراری کی بنیاد ہے۔

عشقِ حقیقی: عقلِ محدود سے ماورا بصیرت

مولانا جلال الدین رومی کے نزدیک عشقِ حقیقی (Divine Love) وہ روحانی قوت ہے جو انسان کو محدود عقل کی قیود سے نکال کر معرفتِ حق کے آفاق میں لے جاتی ہے۔ رومی کی فکری کائنات میں عشق محض جذباتی کیفیت نہیں بلکہ ایک کوزمولوجیکل اور ماورائی اصول ہے وہ قوت جس نے کائنات کو تخلیق کیا، اور جو انسان کو اپنے خالق سے جوڑتی ہے۔ جدید دور میں، جہاں عقل کو مطلق معیارِ حقیقت سمجھ لیا گیا ہے، رومی کی یہ تعلیم ایک روحانی انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے نزدیک، عقل کی پرواز اگرچہ بلند ہے، مگر اس کی بلندی کا محور مشاہدہ ہے، وصل نہیں۔ عشق وہ باطنی توانائی ہے جو ادراک کو وجدان میں، علم کو ایمان میں، اور فکر کو نور میں بدل دیتی ہے۔

رومی کا یہ تصور دراصل فکری مغرب کے روحانی بحران کا علاج ہے، جہاں انسان عقل کی روشنی میں جیتا ہے مگر دل کے اندھیروں میں بھٹکتا ہے۔ ان کے نزدیک عشق، عقل کی نفی نہیں بلکہ اس کا تکمیل کنندہ ہے۔ عقل وہ چراغ ہے جو راستہ دکھاتی ہے، مگر منزل تک عشق ہی پہنچاتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو جدید انسان کو اس کی وجودی بے سمتی (existential disorientation) سے نجات دلا سکتا ہے۔

"عشق آمد و عقل رفت و صد بلا آورد
اما بہرِ ما، خوشی و صد عطا آورد"[8]

"جب عشق آیا تو عقل رخصت ہوئی اور سو بلائیں آئیں،
مگر ہمارے لیے وہ بلائیں بھی خوشی اور سو نعمتیں بن گئیں۔"

---

[7] رومی، جلال الدین۔ مثنوی معنوی، دفتر اول۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 123۔

[8] رومی، جلال الدین۔ مثنویِ معنوی، دفتر دوم۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 178۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یہ شعر رومی کے تصورِ عشق کی ماورائی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ عقل، اپنی فطرت میں حسابی (calculative) اور احتیاط پسند ہے وہ محدود حقیقتوں کے دائرے میں کام کرتی ہے۔ لیکن عشق ان دائرے توڑ کر انسان کو وجود کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔ رومی یہاں عقل کے مقابل عشق کو تباہ کن نہیں، احیاء بخش قوت قرار دیتے ہیں۔ عشق انسان کے "خود" کو توڑتا ہے تاکہ وہ "حق" میں فنا ہو سکے۔ یہ فنا دراصل بقا ہے، کیونکہ عشق عقل کو اضطراب سے یقین، تجزیے سے مشاہدہ، اور محدود سے لا محدود میں بدل دیتا ہے۔ جدید مغرب کا المیہ یہ ہے کہ اس نے عقل کو خدا کا درجہ دے دیا، اور عشق کو محض انسانی کمزوری سمجھا۔ رومی اسی مغربی مغالطے کو توڑتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ عشق ہی وہ بصیرت ہے جو عقل محدود سے آگے دیکھتی ہے۔

نی نامہ اور انسان کی جدائی کا استعارہ

مولانا جلال الدین رومی کی مثنویِ معنوی کا آغاز جس مشہور نظم "نی نامہ" سے ہوتا ہے، وہ دراصل پورے تصوف اور فکرِ رومی کا مرکزی استعارہ ہے۔ نی (بانسری) یہاں انسانِ کامل اور روحِ انسانی کا رمز ہے جو اپنے اصل مقام یعنی نیستان (اصل وطن) سے جدا ہو کر دنیا کی خاک میں مبتلا ہے۔ یہ جدائی صرف مکانی یا زمانی نہیں بلکہ وجودی (ontological separation) نوعیت کی ہے۔ یعنی انسان کا اپنے رب، اپنی حقیقت، اور اپنے باطن سے فراق۔ یہی فراق، رومی کے نزدیک، عشق کا پہلا زینہ ہے۔

وہ انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ اس کی اصل حقیقت مادّی قالب نہیں بلکہ ایک نورانی نسبت ہے، جو اپنے منبعِ ازل (اللہ تعالیٰ) سے جدا ہو کر اضطراب و جستجو میں مبتلا ہے۔ رومی کا "نی" دراصل روحِ انسانی کی چیخ ہے وہ چیخ جو ہر دل میں گونجتی ہے مگر عقل کی شورش میں دب جاتی ہے۔ یہی "ندائے نی" انسان کو اپنی روحانی شناخت کی طرف واپس بلاتی ہے، اور یہی ندا عصرِ حاضر کے روحانی بحران کا واحد مداوا ہے۔

"بشنو از نی چون حکایت می کند
از جدایی ھا شکایت می کند"[9]

"سن نی کی فریاد، جو جدائیوں کی کہانی کہہ رہی ہے،
وہ اپنے اصل وطن سے بچھڑنے کا دکھ بیان کرتی ہے۔"

یہ شعر مثنوی معنوی کی تمہید ہے اور رومی کی پوری فکر کا خلاصہ و استعاراتی نقشہ ہے۔ "نی" یہاں انسان کی روح کا استعارہ ہے، جو نیستان (عالمِ روحانیت) سے جدا ہو کر دنیا کی خاکی وادی میں آ بسی ہے۔ یہی جدائی روح کی بے قراری، جستجو، اور عشق کی بنیاد بنتی ہے۔ رومی کے نزدیک، انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اس "فریادِ نی" کو دنیا کے شور میں سننا بھول گیا ہے۔ مغربی انسان کا روحانی بحران بھی اسی فراق کا نتیجہ ہے وہ خود سے، خدا سے، اور غایتِ وجود سے کٹ چکا ہے۔ رومی کا یہ استعارہ دراصل انسان کو اپنے باطن کی سننے کی دعوت ہے:

"خود کو سن، کیونکہ نی تیری ہی صدا ہے۔"

رومی اور جدید مغربی مفکرین تقابلی مطالعہ

رومی اور کارل ینگ: لاشعور اور روحانی تجلیات

کارل گستاف ینگ (Carl Gustav Jung) مغرب کے اُن چند مفکرین میں سے ہیں جنہوں نے انسان کی نفسیاتی ساخت میں روحانیت کی مرکزیت کو تسلیم کیا۔ ان کے نزدیک انسان صرف ایک نفسیاتی و حیاتیاتی وجود نہیں بلکہ ایک روحانی حقیقت کا حامل ہے، جو اپنے لاشعور (Unconscious) میں ازلی و ابدی حقائق (Archetypes) کو سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ نقطہ نظر رومی کی فکر سے نہایت مشابہت رکھتا ہے، کیونکہ رومی بھی انسان کو نورِ الٰہی کا مظہر اور اس کے اندر الٰہی تجلیات کا حامل سمجھتے ہیں۔ رومی کے ہاں "روح" وہ آئینہ ہے جس میں حقیقتِ مطلقہ کی پرچھائیں پڑتی ہیں، جبکہ ینگ کے ہاں "Self" وہ نفسیاتی مرکز ہے جہاں روحانی انکشافات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یوں، دونوں مفکرین ایک مشرقی صوفی اور ایک مغربی ماہرِ نفسیات انسان کے باطن کو سمجھنے کی کوشش میں ایک ہی حقیقت کے دو زاویے بیان کرتے ہیں: رومی عشق اور معرفت کی زبان میں، اور ینگ لاشعور اور individuation (تشخص و تکمیلِ ذات) کی زبان میں۔

"ھر کسی کو دور ماند از اصل خویش

---

[9] رومی، جلال الدین۔ مثنوی معنوی، دفتر اول۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 3۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

باز جوید روزگارِ وصل خویش"[10]

"جو کوئی اپنی اصل سے جدا ہو جائے،

وہ ہمیشہ اپنے وصل کے دنوں کو تلاش کرتا ہے۔"

یہ شعر روحانی لاشعور (spiritual unconscious) کے تصور کی بہترین تعبیر ہے۔ رومی کے نزدیک انسان کی روح اپنی ازلی حقیقت (حق تعالیٰ) سے جدا ہو کر دنیوی لاشعوری تلاش میں مبتلا ہے۔ یہ تلاش محض شعوری سطح پر نہیں بلکہ باطن کی گہرائیوں میں جاری رہتی ہے۔ کارل ینگ کے مطابق بھی انسان کے لاشعور میں ایسے آرکی ٹائپس (Archetypes) پوشیدہ ہیں جو اسے تکمیلِ ذات (individuation) کی طرف مائل کرتے ہیں۔ یوں رومی کا "وصل کی جستجو" اور ینگ کا "individuation process" ایک ہی باطنی ارتقاء کی دو تعبیرات ہیں پہلی صوفیانہ، دوسری نفسیاتی۔

رومی اور نطشے: خودی، ارادۂ حیات اور عشق

فریڈرک نطشے (Friedrich Nietzsche) اور مولانا جلال الدین رومی دو مختلف تہذیبی جہانوں کے مفکر دونوں نے انسان کی باطنی قوت، خودی، اور ارادۂ حیات کو مرکزی حیثیت دی۔ نطشے کے نزدیک ارادۂ اقتدار (Will to Power) انسانی وجود کا بنیادی جوہر ہے، جو انسان کو کمزوری، تقلید اور جمود سے آزاد کر کے خود تخلیقی قوت بخشتا ہے۔ رومی بھی انسان کے اندر ایک حرکتِ عشق کے قائل ہیں، جو اسے "خاک سے افلاک" کی طرف لے جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نطشے کی "خودی" ماورائے خدا انسان (Übermensch) کی طرف بڑھتی ہے، جبکہ رومی کی "خودی" "قربِ الٰہی میں فنا ہو کر ابدی وجود پاتی ہے۔ یوں رومی کی خودی، عشق سے منور ہے، اور نطشے کی خودی، عقل اور ارادے سے معمور۔

"ای برادر تو همان اندیشه‌ای

مابقی تو استخوان و ریشه‌ای"[11]

"اے بھائی! تُو دراصل اپنے خیالات کا مجموعہ ہے،

باقی تو بس ہڈیوں اور گوشت کا ڈھانچہ ہے۔"

رومی انسان کی حقیقت کو فکری و روحانی توانائی سے جوڑتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کی عظمت اس کے "باطن کے تصور" اور "عشق کے شعور" میں مضمر ہے۔ یہاں اندیشہ نطشے کے "ارادۂ اقتدار" کی طرح ایک تخلیقی قوت ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ رومی کے ہاں یہ قوت خالقِ مطلق کے عشق سے منسلک ہے، جبکہ نطشے کے نزدیک یہ قوت خود وجود کا سرچشمہ ہے، خدا سے آزاد۔ یوں رومی کا "اندیشۂ عاشق" نطشے کے "ارادۂ اقتدار" کو روحانی جہت عطا کرتا ہے۔

"Become who you are[12]"!
Nietzsche, The Gay Science,

"خود وہ بن جا جو تُو دراصل ہے!"

یہ جملہ نطشے کے فلسفے کا نچوڑ ہے خودی کی بازیافت۔

رومی بھی یہی دعوت دیتے ہیں مگر راستہ مختلف ہے: نطشے کی "خودی" خدا سے ماورا خود مختاری ہے، جبکہ رومی کی "خودی" خدا میں فنا ہو کر بقا پاتی ہے۔ یوں دونوں کے درمیان تعلق تضاد میں وحدت کا ہے:

نطشے انسان کو خدا کے بغیر عظمت دیتا ہے۔

اور رومی انسان کو خدا کے عشق سے لافانیت بخشتے ہیں۔

---

[10] رومی، جلال الدین۔ مثنوی معنوی، دفتر اول۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 7۔

[11] رومی، جلال الدین۔ مثنوی معنوی، دفتر دوم۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 152۔

[12] اقبال، محمد۔ اسرارِ خودی۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1981، 42۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.4 2025

اقبال نے اسی تضاد کو ہم آہنگ کرتے ہوئے کہا:

"خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے!"

رومی اور ہنری کوربن: تخیل اور روحانی علم

ہنری کوربن(Henry Corbin)بیسویں صدی کے وہ مغربی مفکر ہیں جنہوں نے اسلامی تصوف اور شیعی معرفت کو مغرب میں فلسفیانہ وقار دیا۔ان کا نظریۂ عالمِ مثال(Mundus Imaginalis)رومی کی تخلیقی تخیل(creative imagination)کے تصور سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔کوربن کے نزدیک تخیل (Imagination) صرف وہم یا فریب نہیں بلکہ ایک روحانی ادراک ہے ۔ایک ایسی "عینک" جس سے حقیقت کے باطنی معانی منکشف ہوتے ہیں۔رومی کے ہاں بھی عشق و تخیل وہ ذریعہ ہیں جن کے ذریعے انسان ظاہری کائنات سے آگے بڑھ کر عالمِ روح میں داخل ہوتا ہے۔

"خواب دیدی بر مثال اندر نظر

پس بدانی کہ خیال است آن اثر"[13]

"تو نے خواب میں جو منظر دیکھا، وہ دراصل خیال کی صورت ہے۔

پھر تُو جان لے کہ وہ اثر، ایک خیالی حقیقت ہے۔"

رومی یہاں "خیال" کو فریب نہیں بلکہ روحانی ادراک قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک عالمِ مثال میں دکھائی دینے والے خواب، تجلیات اور مکاشفات روحانی دنیا کے علامتی اظہارات ہیں۔یہی تصور ہنری کوربن کے فلسفے میں عالمِ مثال(Imaginal Realm)کے طور پر سامنے آتا ہے۔ایک ایسا جہان جو نہ مادی ہے نہ مجرد، بلکہ دونوں کے درمیان ایک روحانی حقیقت رکھتا ہے۔یوں، رومی کا "خیال" اور کوربن کا "Imagination" ایک ہی معرفتی منہاج کے دو لسانی مظاہر ہیں۔

مسلم مفکرین کے تناظر میں فکرِ رومی

علامہ اقبال کی فکر میں رومی کا اثر

برصغیر کے فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال کی فکری و روحانی تشکیل میں مولانا جلال الدین رومی کا کردار نہایت بنیادی ہے۔اقبال نے خود رومی کو اپنا "مرشدِ روحانی" کہا اور اسرارِ خودی کے آغاز میں ان کے حضور اعترافِ شاگردی کیا:

"رومی گُفت ار بندہ ای با ما نشین / کز نفس گرم ما داری یقین

"یعنی "اے طالبِ راہ، اگر بندۂ حقیقی ہے تو ہمارے ساتھ بیٹھ، تاکہ ہماری گرم نفَس مجلس سے یقین حاصل کرے۔"

رومی کی تعلیمات میں عشق، خودی، حرکت، اور قربِ الٰہی کے تصورات نے اقبال کے نظامِ فکر کو ایک دینی-فلسفیانہ اساس عطا کی۔اقبال کے نزدیک رومی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے تصوف کو جمود و ترکِ دنیا کے بجائے حرکت، عشق، اور عمل کا پیغام بنایا۔جہاں صوفیہ کا ایک طبقہ "فنا" کو نجات سمجھتا تھا، اقبال(رومی کی پیروی میں)"فنا فی اللہ" کے بعد "بقا باللہ" یعنی خلاقانہ بقا کو انسان کا مقصود قرار دیتے ہیں۔اقبال کی خودی دراصل رومی کے "انسانِ کامل" کا نیا فلسفیانہ اظہار ہے ایک ایسا انسان جو عشقِ حقیقی کے ذریعے اپنی ذات کو الوہی مقصد سے ہم آہنگ کر لیتا ہے۔

"آن یکی را عشقِ حق اندر بدن

همچو صد خورشید تابان در بدن"[14]

"جس کے بدن میں عشقِ حق جاگزیں ہو جائے،

وہ ایسے روشن ہوتا ہے جیسے بدن میں سو سورج چمک اٹھیں۔"

رومی کے نزدیک عشقِ الٰہی انسان کی حقیقت کا جوہر ہے۔یہ عشق انسان کو ظلمت سے نکال کر خود آگہی اور خلاق بصیرت عطا کرتا ہے۔رومی کا یہ عشق محض جذبہ نہیں بلکہ روحانی توانائی ہے جو انسان کو کائنات میں تخلیقی کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔اقبال نے اسی عشق کو اپنی فکر کا مرکز بنایا۔اقبال کے نزدیک عشق، عقل سے بالاتر

---

13 رومی، جلال الدین۔ مثنوی معنوی، دفتر سوم۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 221۔

14 رومی، جلال الدین۔ مثنوی معنوی، دفتر پنجم۔ لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، 2004، 212۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

بصیرت ہے، جو انسان کو "فعلِ خالق" میں شریک کر دیتی ہے۔ یوں رومی کے "عشقِ حق" نے اقبال کی "خودی" میں وہ حرارت بھری جس سے ان کی فکر ایک حرکتِ ایمانی و تخلیقی قوت بن گئی۔

"رومی کہ گفت عشق زِ معمارِ کائنات است
ما رازِ عشق اوست فروغِ حیات"[15]

"رومی نے کہا کہ عشق ہی کائنات کے معمار کا راز ہے،
ہماری زندگی کی روشنی اسی عشق سے ہے۔"

یہ شعر اقبال کے نزدیک رومی کی فکر کا خلاصہ ہے۔ رومی کے لیے عشق تخلیقِ کائنات کی قوت ہے وہ آگ جس سے زندگی اور حرکت جنم لیتی ہے۔ اقبال نے اسی تصور کو انسانی خودی کے ساتھ جوڑا۔ ان کے نزدیک "عشق" انسان کے وجود کا تخلیقی محرک ہے، جو اسے خدا کی صفات میں حصہ دار بناتا ہے۔ اقبال کا ''مردِ مومن'' رومی کے ''عاشقِ حق'' کی عصری تجسیم ہے: وہ فنا نہیں چاہتا بلکہ زندگی کو عشق کے رنگ میں ڈھالنا اس کا مقصد ہے۔ یوں رومی اور اقبال دونوں کے ہاں عشق تسلیم نہیں، تخلیق کا نام ہے۔

رومی اور اقبال کے درمیان فکری نسبت محض جذباتی یا ادبی نہیں بلکہ مابعدالطبیعیاتی (metaphysical) اور انسانیاتی (existential) ہے۔ دونوں کے نزدیک انسان کائنات کا فعال و خلاق مرکز ہے، جو عشق کے ذریعے اپنی حقیقت دریافت کرتا ہے۔ رومی کے ہاں عشق، خدا کی قربت کا راستہ ہے؛ اقبال کے ہاں یہی عشق انسان کو تخلیقِ نو کی قوت دیتا ہے۔ رومی کا "سلوک" اور اقبال کا "جہادِ خودی" دراصل ایک ہی روحانی عمل کے دو پہلو ہیں پہلا انسان کو باطنی صفائی دیتا ہے، دوسرا عملی بلندی عطا کرتا ہے۔ عصرِ حاضر کے فکری بحران مادیت، روحانیت سے دوری، اور خودی کی گمشدگی کا علاج اقبال کے نزدیک اسی "فکرِ رومی" میں مضمر ہے۔ جو عشق کے ذریعے انسان کو خدا کے نائب اور خلاق بندے کے مقام پر فائز کرتا ہے۔

سید حسین نصر اور رومی کا مابعدالطبیعیاتی پیغام

سید حسین نصر، بیسویں صدی کے ممتاز مسلم فلسفی اور متکلم ہیں جنھوں نے اسلامی حکمت، تصوف، اور مابعدالطبیعیات (Metaphysics) کو مغربی مادیت کے مقابل ایک متوازن روحانی نظام کے طور پر پیش کیا۔ نصر کے نزدیک، مولانا رومی کی تعلیمات دراصل ''علمِ الوجود'' (Ontology) کے ایسے پہلو کو واضح کرتی ہیں جو انسان کو خالقِ حقیقی سے جوڑتی ہیں۔ رومی کے ہاں عشق صرف ایک جذباتی کیفیت نہیں بلکہ وہ "وجودِ کل" کی طرف لوٹنے کا وسیلہ ہے۔ نصر اس نکتے پر زور دیتے ہیں کہ رومی کا عشق، وجود کے ہر درجے میں الوہی حقیقت کی تجلی کو ظاہر کرتا ہے۔

"عشق آن شعلہ است ک۔ا گر بر فروخت / ھر چہ جز معشوق، باقی جملہ سوخت"
عشق وہ شعلہ ہے جو جب بھڑک اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا ہر شے کو جلا دیتا ہے۔

یہ شعر رومی کے تصوف کی اساس ہے، جو "وحدت الوجودی" زاویے سے عشق کو معرفتِ الٰہی کا دروازہ قرار دیتا ہے۔ نصر کے نزدیک یہ عشق ہی وہ مابعدالطبیعیاتی قوت ہے جو مادیت کی جکڑ سے انسان کو آزاد کر کے الٰہی مرکز سے جوڑتی ہے۔ نصر اپنی تصنیف The Garden of Truth میں لکھتے ہیں کہ

> "Rumi's metaphysical vision transforms love into a path of gnosis a knowledge that unites being and knowing in the Divine Reality[16]".

ولیم چیٹک (William Chittick) کے مطالعے میں رومی کی معنویت

ولیم چیٹک جدید دور کے ممتاز مغربی اسلامیات دان ہیں جنھوں نے رومی اور ابن عربی پر گہرے تحقیقی کام کیے۔ ان کے نزدیک رومی کا پیغام محض ایک شعری یا ادبی مظہر نہیں بلکہ انسانی وجود کی تکمیل اور الوہی قرب کا فلسفہ ہے۔ چیٹک کی رومی فہم اس بات پر زور دیتی ہے کہ رومی کے ہاں عشق، اخلاق اور عرفان ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک ہی وحدت کے تین پہلو ہیں۔

---

[15] اقبال، محمد۔ ضربِ کلیم۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1981، 54۔

[16] Nasr, Seyyed Hossein. The Garden of Truth: The Vision and Promise of Sufism, Islam's Mystical Tradition. New York: HarperOne, 2007, 54.

"Rumi does not teach escape from the world; rather, he shows how to find God within it[17]".

رومی دنیا سے فرار کی تعلیم نہیں دیتے، بلکہ یہ سکھاتے ہیں کہ خدا کو اسی دنیا میں کیسے پایا جائے۔

چیٹک یہاں رومی کے فکری توازن پر روشنی ڈالتے ہیں ایک ایسا تصوف جو دنیا کو ترک نہیں کرتا بلکہ اسے معرفتِ الٰہی کے اظہار کا مظہر سمجھتا ہے۔ یہ تعبیر، روحانیت کو عملی زندگی سے ہم آہنگ کرتی ہے، اور اسی کو چیٹک ''Immanent Transcendence'' کا نام دیتے ہیں۔

"ھر کسی کو دور ماند از اصل خویش / باز جوید روزگار وصل خویش"[18]

جو کوئی اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے، وہ ہمیشہ اپنی وصل کی گھڑی تلاش کرتا ہے۔

چیٹک کے نزدیک یہ شعر رومی کے تصورِ ''خود آگاہی'' (Self-awareness) اور ''خدا آگاہی'' (God-consciousness) کے درمیان تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ انسان کا فکری و روحانی سفر دراصل اپنی اصل، یعنی خدا کی طرف بازگشت کا سفر ہے۔

عصرِ حاضر کے روحانی بحران کا رومی حل

وحدت، محبت، اور خودشناسی کا راستہ

عصرِ حاضر کا انسان بظاہر ترقی یافتہ ہے مگر باطن میں گہرے روحانی خلا کا شکار ہے۔ جدید سائنس، ٹیکنالوجی، اور معاشی دوڑ نے انسان کو خارجی طور پر تو طاقتور بنا دیا، لیکن اس کی باطنی وحدت اور روحانی مرکزیت کو منتشر کر دیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کی تعلیمات اس منتشر انسان کو دوبارہ وحدت، محبت، اور خودشناسی کی راہ دکھاتی ہیں۔ رومی کے نزدیک انسان کی اصل بیماری "غفلت" ہے یعنی اپنے ماخذ (اصلِ الٰہی) سے دوری۔ اور اس بیماری کا علاج صرف عشق اور معرفت میں مضمر ہے۔

"ہر انسان ایک آئینہ ہے جو اُس وقت تک دھندلا رہتا ہے جب تک عشق اسے صاف نہ کر دے۔"

رومی کے یہ تصورات عصرِ حاضر کے اس بحران کا علاج پیش کرتے ہیں جس میں انسان نے خود کو مادّی کامیابی کا پیمانہ بنا لیا ہے اور اپنی روحانی اصل کو فراموش کر دیا ہے۔

وحدت انسان اور کائنات کی ہم آہنگی

رومی کا بنیادی تصور "توحید" صرف مذہبی عقیدہ نہیں بلکہ ایک کونیاتی شعور (Cosmic Consciousness) ہے۔ ان کے نزدیک کائنات کی ہر شے "واحد حقیقت" کی مظہر ہے۔

"چونکہ تو از اصل خود غافل شدی / با ھزاران نقش و صورت، پیوستی"[19]

جب تُو اپنی اصل سے غافل ہو گیا، تو ہزاروں صورتوں اور نقوش میں الجھ گیا۔

یہ شعر انسان کی وجودی جدائی اور مادی الجھن کی تصویر پیش کرتا ہے۔ رومی کے نزدیک "کثرت" دراصل "غفلت" کا نتیجہ ہے، اور اس کا علاج "توحید" کے شعور میں ہے یعنی ہر شے میں خدا کی تجلی کو پہچاننا۔ یہی شعور انسان کو روحانی سکون، اخلاقی توازن، اور فکری استقامت عطا کرتا ہے۔

محبت عقل سے آگے کا راستہ

رومی کے نزدیک "محبت" محض جذبہ نہیں بلکہ وجودی قوت (Ontological Force) ہے جو انسان کو اس کے خالق سے جوڑتی ہے۔ وہ عقل کو محدود اور محبت کو لامحدود بصیرت قرار دیتے ہیں:

"عقل در شرحش چو خر در گل بخفت / شرح عشق و عاشقی هم عشق گفت"[20]

---

[17] Chittick, William C. The Sufi Path of Love: The Spiritual Teachings of Rumi. Albany: State University of New York Press, 1983, 14.

[18] Chittick, William C. Divine Love: Islamic Literature and the Path to God. New Haven: Yale University Press, 2013, 87.

[19] Rumi, Jalal al-Din. Mathnawi-i Ma'nawi, Book I, ed. Reynold A. Nicholson (London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1925), 112.

[20] Rumi, Jalal al-Din. Mathnawi-i Ma'nawi, Book II, trans. R.A. Nicholson (London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1926), 212.

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

عقل اس کی شرح میں کیچڑ میں پھنسی رہ جاتی ہے، عشق ہی عشق کی بات کو سمجھاتا ہے۔

یہاں رومی انسان کو "عقلِ جزوی" (fragmented reason) سے اوپر اٹھ کر "عقلِ کلی" یعنی عشقِ الٰہی کے شعور کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک، عقل رہنمائی کرتی ہے مگر عشق منزل دکھاتا ہے۔ عصرِ حاضر کا بحران جہاں علم تو ہے مگر عشق نہیں اسی نکتے کی نفی کا نتیجہ ہے۔ رومی کے ہاں خودشناسی (Self-Knowledge) دراصل خداشناسی (God-Knowledge) کا پہلا زینہ ہے۔ وہ انسان کے باطن کو "معبدِ الٰہی" قرار دیتے ہیں:

رومی کے پیغام کا عصری معنویت

رومی کا یہ تین جہتی راستہ وحدت، محبت، اور خودشناسی محض صوفیانہ نظریہ نہیں بلکہ عصرِ حاضر کی فکری و نفسیاتی بیماریوں کا علاج ہے۔

- فکری انتشار کو وحدتِ وجود میں بدلتا ہے۔
- روحانی خلا کو عشق کی روشنی سے پُر کرتا ہے۔
- خودفراموشی کو خودشناسی میں بدلتا ہے۔

جیسا کہ رومی فرماتے ہیں:

"از خود بطلب هر آنچه خواهی که منم / من در تو چنانم که در دل، سخنم"[21]

جو کچھ تُو چاہتا ہے وہ اپنے اندر تلاش کر، میں تجھ میں ویسے ہی ہوں جیسے دل میں سخن ہوتا ہے۔

یہی وہ رومی پیغام ہے جو مادیت کے شور میں گم انسان کو اس کے باطن کی آواز دوبارہ سننے کی دعوت دیتا ہے۔

رومی کا پیغام وحدت، محبت، اور خودشناسی ایک روحانی فلسفۂ حیات ہے جو جدیدیت کے بحران کا شافی علاج پیش کرتا ہے۔ یہ انسان کو نہ صرف خالق سے بلکہ خود اپنی ذات سے بھی ہم آہنگ کرتا ہے۔ ان کی تعلیمات میں وہ عالمگیر معنویت پوشیدہ ہے جو آج کے "پوسٹ سیکولر" دور میں انسان کو دوبارہ روحانی مرکزیت کی طرف واپس بلا سکتی ہے۔

جدید انسان کے لیے مثنوی کا پیغام

مولانا جلال الدین رومی کی مثنویِ معنوی کوئی عام شعری تصنیف نہیں بلکہ انسان کے باطنی ارتقاء کی ایک روحانی دستاویز ہے۔ رومی نے اسے "اصولِ اصولِ دین" کہا، یعنی وہ اساس جو ظاہر و باطن دونوں کے توازن کو قائم رکھتی ہے۔ جدید انسان جو علم و ٹیکنالوجی کے عروج پر ہونے کے باوجود روحانی تہی دستی کا شکار ہے کے لیے مثنوی کا پیغام زندگی کی اخلاقی، روحانی اور وجودی وحدت کو بحال کرنے کا ذریعہ ہے۔ عصرِ حاضر میں انسان نے اپنی عقل کو تو تیز کر لیا ہے مگر دل کی آواز سے کٹ چکا ہے۔ رومی اس دل کو "منزلِ الٰہی کی سمت اشارہ کرنے والا قطب نما" قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مثنوی کا مقصد یہ ہے کہ انسان دوبارہ خود سے، خالق سے، اور مخلوق سے رشتہ استوار کرے۔

روحانی بیداری کی دعوت

"بشنو از نی چون حکایت می کند / از جدایی ها شکایت می کند"[22]

نی کی فریاد سن، جو جدائیوں کا حال بیان کرتی ہے۔

یہ مثنوی کا آغاز ہے اور رومی کی پوری فکر کا مرکزی استعارہ۔

"نی" دراصل انسانی روح کی علامت ہے جو اپنے اصل مقام (حق تعالیٰ) سے جدا ہو چکی ہے۔

یہ فریاد اسی جدائی کی ہے۔ رومی یہاں جدید انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ اس کی اصل ماورائی ہے،

اور جب تک وہ مادّی دنیا میں قید رہ کر اپنی روحانی نسبت کو نہ پہچانے گا، اس کی بے قراری ختم نہیں ہو گی۔

یہ آیتِ قرآنی "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" کی روحانی تعبیر ہے۔

[21] Rumi, Jalal al-Din. Diwan-e Shams-e Tabrizi, ed. B. Furuzanfar (Tehran: Amirkabir, 1957), 242.
[22] Rumi, Jalal al-Din. Mathnawi-i Ma'nawi, Book I, ed. Reynold A. Nicholson (London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1925), 2.

عقل و عشق کی ہم آہنگی

"عقل گوید شش جهت حد ست وبیرون راه نیست / عشق گوید راه هست ورفته ام من بارها"[23]

عقل کہتی ہے چھ سمتوں سے باہر کوئی راہ نہیں،

عشق کہتا ہے راہ ہے، اور میں نے بارہا طے کی ہے۔

یہ شعر عصرِ حاضر کی عقل پرستی (Rationalism) کے مقابل میں رومی کے عشق پر مبنی شعور کو ظاہر کرتا ہے۔

رومی عقل کو رد نہیں کرتے بلکہ اسے عشق کے تابع بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک عقل صرف وہیں تک مفید ہے جہاں وہ عشق کے نور سے منور ہو۔ یہی پیغام جدید انسان کے لیے ہے کہ محض منطق سے زندگی کے اسرار حل نہیں ہوتے، بلکہ دل کی آگہی کے بغیر علم ادھورا رہتا ہے۔

رومی کی تعلیمات کا عملی و اخلاقی نفاذ

رومی کی تعلیمات کا مقصد محض فلسفیانہ یا نظریاتی نہیں۔

بلکہ ان کی تعلیمات عملی، اخلاقی اور تربیتی جہت رکھتی ہیں۔

ان کا پیغام انسان کو "علمِ نظری" سے "عملِ اخلاقی" کی طرف منتقل کرتا ہے۔

آج کے معاشرے میں جہاں خود غرضی، مادیت، اور مفاد پرستی غالب ہے۔

رومی کی تعلیمات ہمیں انسان دوستی، ایثار، اور محبتِ الٰہی کا سبق دیتی ہیں۔

رومی کا انسان ایک فعال، محبت انگیز، اور خدمت گزار ہستی ہے

جو اپنے اخلاقی عمل سے دوسروں کے لیے سکون و سلامتی کا ذریعہ بنتا ہے۔

ان کے نزدیک "ذکرِ خدا" صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ہونا چاہیے۔

اخلاق کی روح خدمت و محبت

"در فنا باقی شدی از خویش شو / تا ببینی در همه او را به تو"[24]

اپنے آپ کو مٹا دے تاکہ تُو سب میں اُسے دیکھ سکے۔

رومی یہاں "فنا" کو محض صوفیانہ اصطلاح کے بجائے اخلاقی و عملی مفہوم میں لیتے ہیں۔ خود کو مٹا دینے کا مطلب ہے "انانیت، حرص، اور مفاد" کو ختم کرنا۔ جب انسان اپنی خود غرضی سے نکل آتا ہے تو وہ دوسروں میں خدا کی جھلک دیکھتا ہے۔ یہی اخلاقی انقلاب معاشرتی اصلاح کی بنیاد ہے۔

عمل اور ایمان کا رشتہ

"علم را گر عمل نباشد نیست / باد در دست شیشه نتوان بست"[25]

اگر علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ کچھ نہیں، ہوا کو مٹھی میں بند نہیں کیا جا سکتا۔

یہ رومی کی عملی اخلاقیات کی بنیاد ہے۔ وہ "علمِ بے عمل" کو ناپائیدار شے قرار دیتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں جہاں علم تو بڑھ گیا ہے مگر عمل کا جوہر مفقود ہے، رومی کی یہ تعلیم واضح کرتی ہے کہ روحانی توازن صرف اس وقت ممکن ہے جب علم دل کی پاکیزگی اور اخلاقی عمل سے جڑ جائے۔

معاشرتی اصلاح اور آفاقی اخلاق

"این دهان بستی دهانی باز شد / تا خورنده لقمه های راز شد"[26]

---

[23] Rumi, Jalal al-Din. Diwan-e Shams-e Tabrizi, ed. B. Furuzanfar (Tehran: Amirkabir, 1957), 178.

[24] Rumi, Jalal al-Din. Mathnawi-i Ma'nawi, Book IV, trans. R.A. Nicholson (London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1933), 212.

[25] Rumi, Jalal al-Din. Mathnawi-i Ma'nawi, Book II, Nicholson ed., 143.

[26] Rumi, Jalal al-Din. Mathnawi-i Ma'nawi, Book V, ed. and trans. Nicholson (London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1934), 276.

جب تُو نے دنیا کی لذتوں کا در بند کیا،

تب رازوں کی غذا تجھے نصیب ہوئی۔

یہ شعر ضبطِ نفس، قناعت، اور روحانی پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے۔ رومی کے نزدیک ''تزکیۂ اخلاق'' کے بغیر ''معرفت'' ممکن نہیں۔ یہی اخلاقی تزکیہ انسان کو مادّی لذتوں سے آزاد کر کے روحانی لذتوں کا اہل بناتا ہے۔ یہ تصور آج کے صارفیت زدہ (consumerist) معاشرے کے لیے نہایت اہم پیغام ہے۔

نتائج

1. فکرِ رومی انسان کے باطن کی اصلاح پر زور دیتی ہے، اور یہ تعلیم دیتی ہے کہ حقیقی سکون بیرونی مادی ترقی میں نہیں بلکہ روحانی بیداری میں پوشیدہ ہے۔
2. رومی کی تعلیمات میں محبتِ الٰہی کو تمام روحانی تربیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، جو انسان کو خودی، نفرت اور خود غرضی سے آزاد کرتی ہے۔
3. عصرِ حاضر کا انسان مادیت، تنہائی اور اضطراب کا شکار ہے، جس کا بنیادی سبب روحانی قدروں سے دوری ہے رومی کا پیغام اس خلا کو پُر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
4. رومی نے انسانی نفس کی تہذیب اور تزکیہ کو روحانی ارتقاء کا مرکز قرار دیا، جو آج کے ذہنی دباؤ، عدم اطمینان اور اخلاقی زوال کے علاج کی کلید ہے۔
5. ان کی فکر میں مذہبی تعصبات سے ماورا انسانیت کا تصور نمایاں ہے، جو موجودہ دور کے مذہبی اور ثقافتی تصادمات کا مؤثر جواب فراہم کرتا ہے۔
6. رومی کے ہاں عشق ایک ہمہ گیر قوت ہے، جو انسان کو خدا سے جوڑتی اور کائنات کے حسن و توازن کو سمجھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔
7. جدید انسان کے روحانی بحران کی جڑ خودی کی نفی یا اس کا غلط مفہوم ہے، جبکہ رومی نے "خودی" کو فنا فی اللہ کے ذریعے کمالِ انسانیت تک پہنچنے کا راستہ بتایا۔
8. رومی کی شاعری اور تعلیمات انسان کو اپنے اندر جھانکنے، خود شناسی کرنے اور خالق سے تعلق بحال کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔
9. فکرِ رومی کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ روحانی مسائل کا حل سادہ فلسفیانہ یا مادی طریقوں میں نہیں بلکہ عشق، معرفت اور اخلاقی تربیت میں ہے۔
10. رومی کی تعلیمات آج کے دور کے لیے عالمی روحانی ہم آہنگی کا پیغام رکھتی ہیں، جو مشرق و مغرب دونوں کے انسانوں کو روحانی اتحاد کی طرف بلا سکتی ہیں۔

سفارشات

1. تعلیم اور نصاب میں رومی کی فکر شامل کی جائے، تاکہ طلبہ روحانی اور اخلاقی تربیت کے ذریعے اپنی زندگی میں توازن قائم کر سکیں۔
2. روحانی سکون اور اخلاقی تربیت کے لیے ورکشاپس اور سیمینارز کا انعقاد کیا جائے، جہاں رومی کی تعلیمات پر عملی غور و فکر کیا جائے۔
3. موجودہ دور کے روحانی بحران کا مقابلہ کرنے کے لیے مراقبہ، تصوف اور عشقِ حقیقی کے اصولوں پر مبنی رہنمائی فراہم کی جائے۔
4. ادب، شاعری اور آرٹ میں رومی کے پیغام کو فروغ دیا جائے، تاکہ عام لوگ بھی روحانی پیغام سے مستفید ہو سکیں۔
5. روحانی بحران کے شکار افراد کے لیے نفسیاتی اور روحانی مدد کے مراکز قائم کیے جائیں، جہاں رومی کی تعلیمات کو بطور رہنمائی استعمال کیا جائے۔
6. بین الثقافتی مکالمہ اور مذہبی رواداری کے فروغ میں رومی کے انسانی اور اخلاقی تصور کو شامل کیا جائے، تاکہ معاشرت میں ہم آہنگی اور امن قائم ہو۔
7. جدید انسانی زندگی میں خودی اور روحانیت کے درمیان توازن پیدا کرنے کے لیے رومی کی تعلیمات کو عملی زندگی میں نافذ کیا جائے۔
8. اس موضوع پر تحقیق اور مطالعہ کو فروغ دیا جائے، تاکہ رومی کی تعلیمات کے عالمی اور عصر حاضر کے حوالے سے مطالعے میں اضافہ ہو۔
9. روحانی سکون کے حصول کے لیے رومی کے عشق، معرفت اور اخلاقی اصولوں کو زندگی کے روزمرہ پہلوؤں میں نافذ کیا جائے۔
10. روحانی اور اخلاقی تربیت کو سماجی اصلاح اور معاشرتی ہم آہنگی کے لیے ایک کلیدی عنصر کے طور پر پیش کیا جائے۔

خلاصہ

عصرِ حاضر میں انسان مختلف روحانی بحرانوں، اضطراب، تنہائی اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہے، جس کی بنیادی وجہ مادیت اور روحانی قدروں سے دوری ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کی فکر میں انسان کی باطنی اصلاح، خود شناسی، اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے اخلاقی اور روحانی تربیت پر زور دیا گیا ہے۔ رومی کے نزدیک عشقِ الٰہی، معرفت اور تزکیۂ نفس انسان کو خودی کی صحیح پہچان اور روحانی سکون فراہم کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں محبت، ہمدردی، اور انسانیت کے عالمی تصور کو فروغ دینے کی اہمیت نمایاں ہے، جو آج کے روحانی بحران کے حل کے لیے راہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ موجودہ دور میں رومی کی تعلیمات کا مطالعہ انسان کو نہ صرف اپنی اندرونی زندگی میں توازن قائم کرنے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی اور اخلاقی اقدار کے فروغ میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ نتیجتاً، رومی کی فکر انسانی روح کے ارتقاء اور عصرِ حاضر کے روحانی مسائل کے حل کے لیے ایک کارآمد اور جامع رہنما تصور کی جاسکتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مصادر و مراجع

1. رومی، جلال الدین۔ مثنویِ معنوی۔ لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، 2004۔
2. رومی، جلال الدین۔ دیوان شمس تبریزی۔ تھران: امیر کبیر، 1957۔
3. اقبال، محمد۔ اسرارِ خودی۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1981۔

7. Chittick, William C. *The Sufi Path of Love: The Spiritual Teachings of Rumi.* Albany: State University of New York Press, 1983.
8. Chittick, William C. *Divine Love: Islamic Literature and the Path to God.* New Haven: Yale University Press, 2013.
9. Nasr, Seyyed Hossein. *The Garden of Truth: The Vision and Promise of Sufism, Islam's Mystical Tradition.* New York: HarperOne, 2007.
10. Rumi, Jalal al-Din. *Mathnawi-i Ma'nawi.* Edited by Reynold A. Nicholson. London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1925.
11. Rumi, Jalal al-Din. *Mathnawi-i Ma'nawi, Book II.* Translated by R.A. Nicholson. London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1926.
12. Rumi, Jalal al-Din. *Mathnawi-i Ma'nawi, Book IV.* Translated by R.A. Nicholson. London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1933.
13. Rumi, Jalal al-Din. *Mathnawi-i Ma'nawi, Book V.* Edited and translated by R.A. Nicholson. London: E.J.W. Gibb Memorial Trust, 1934.